OPEN ACCESS
Al-Qālam القلم
P-ISSN: 2071-8683; E-ISSN: 2707-0077
Volume 28, Issue, 1, 2023
http://alqalamjournalpu.com/

معاصر مسلم فکر میں روایت اور جدیدیت کے مباحث، حدود اور وسعتیں:

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر کا جائزہ

Tradition and Modernity in Islamic Thought: Contemporary and Historical Perspectives : A study of Syed Abu-ul-Aala Maududi's Thoughts

Dr. Abdul Razaq Khan Niazi
PST Teacher GES Samand wala, Distt. Mianwali
Dr. Zia-ur-Rehman Zia
Assistant Professor, Govt. College University FaisalAbad

Abstract

KEYWORDS:

Tradition, Modernism, Secularism, Syed Abdul-ul-Aala Moududi.

Date of Publication:
30-06-2023

In 19th & 20th centuries, Western colonialism overtook Muslims intellectually and physically. Muslim rulers and king had no plans for the present and the future, apart from being proud of the glorious victories and inventions of the past. Influenced by the glare of the West, the so-called enlightened Muslim elements also started persuading and doing distortions in the name of innovation and evolution in religious principles.Those who termed the practical interpretation of religious orders as extremism and stereotyping, used education and media as a weapon to spread their false ideas. In the sub-continent, on the one hand, Sir Syed Ahmad Khan reconciled with the civilization of the West and the modernists opened the door to the renewal of interpretations and on the other hand, narrow-minded traditionalists started a series of refusal to accept every new thing because of Sir Syed Ahmed khan and his companions. Alama Iqbal and Syed Abu ul Aala Moududi's thoughts put a profound impact regarding change and modernization in the changing Muslim societies of the last two centuries. The western thinkers guide them for development and attaing better position the Muslim world should require, acknowledge and adopt predominance of Western civilization, Secularism, dominant languages and Western educational institutions cannot be avoided. In their response the Islamic revivalist movements and Philosophers always argue that for attaining the prosperity muslim ummah must return to the Quranic principles and Sunnah of the Last messanger of Allah almighty and his truthful successors.

تمہید:

انیسویں اور بیسویں صدیوں میں مادیت کے فلسفہ کو صنعتی انقلاب نے مہمیز دی۔ حقیقی دین داری کی بجائے کئی بظاہر مذہبی مگر در حقیقت مادیت پرستی پر مبنی فلسفے تعمیر کیے گئے۔ جن سے بعد ازاں "انسان پرستی Humanisim" کا فلسفہ بر آمد ہوا۔ انیسویں صدی کے آخری عشرہ تک نئے عوامل اور نئے طریقے اختیار کرتے ہوئے حقیقت سے پردے اٹھائے جانے کی دلیل کا حوالہ دے کر انسانی ترقی کی راہ کی رکاوٹیں دور کرنے کے لیے پرانے علوم اور خیالات کو مسترد کرنے کا حوصلہ اور سماجی ڈھانچے میں بھی توڑ پھوڑ شروع ہو چکی تھی۔ پہلے گمراہیوں کا دائرہ اور اثر کم ہوتا تھا مگر نئی مغربی گمراہیاں عالمگیر اور ہمہ گیر اثرات کی حامل ہیں جن کا دائرہ اثر ہر مذہب کے لوگوں پر ہے اور بڑھ رہا ہے۔ ان کی پشت پر مالی اور فوجی طاقت بھی رہی ہے۔ نئی نئی اور ہر کچھ عرصہ بعد تبدیل ہونے والی اصطلاحات کے اثرات ہمارے ہاں خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقے پر ہیں۔[1] اس استعماری دور میں مسلمانوں پر دہری آفت کے مصداق ان کا سیاسی اقتدار بھی ختم ہوا اور ان کے معاشرے کی دینی اخلاقی بنیادوں کو بھی نقصان پہنچنے لگا۔ دور استعمار نے معاشرے کی ثنویت کو نہ صرف مستحکم کیا بلکہ شخصی اور عائلی زندگی میں بھی اخلاقی بنیادوں کو نقصان پہنچا۔[2] استحصال کے ان بدترین حالات میں امت مسلمہ کی رہنمائی اور اسلامی فکر کے احیا کے لیے روایت وجدیدیت کے ضمن میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا نام اور کام سرفہرست ہے۔ دور جدید میں تہذیبی، معاشی اور سیاسی سطح پر حق وباطل کی کشمکش کے تذکرے میں ان کا نام ہمیشہ کلیدی مقام کا حامل رہے گا۔ انہوں نے متوازن زندگی کے لیے اسلام کے پورے مربوط اور جامع نظام زندگی میں موجود ہم آہنگی اور توازن کے ہر گوشے کو واضح کیا۔ بیسویں صدی کی اسلامی فکریات پر سب سے زیادہ گہرے اثرات مولانا مودودیؒ کے ہیں۔[3] ڈاکٹر خالد علوی انہیں عصر حاضر کے تجدیدی کام کا قائد تسلیم کرتے ہیں جنہوں نے ایک مربوط فکر پر مبنی کلی اور محیط نظام واضح کیا ہے۔ اس میدان میں قدیم وجدید زمانے میں سید مودودیؒ کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔[4]

سوالات تحقیق

معاصر فکر میں روایت وجدیدیت کے باب میں پیدا ہونے والے سوالات کے جواب میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا کیا کردار ہے؟

تعارف و تشریح

تجدید کے معنی کسی چیز کو نیا کرنے کے ہیں۔ دین کی تجدید کا مطلب ہے،اس کی مٹی ہوئی تعلیمات اور سنتوں کو زندہ کرنا،اس کے ان نقوش و آثار کو اجاگر کرنا اور لوگوں میں اُنھیں عام کرنا۔ اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ گواہ ہے کہ علمائے امت نے مختلف مواقع پر یہ خدمت انجام دی ہے اور ایسے متعدد مجددین گزرے ہیں جن کے کارناموں سے تاریخ اسلامی کے اوراق مزین ہیں۔ جدیدیت کلیسائی جبر واستبداد کے رد عمل میں پیدا شدہ ایک مغربی فکر و تحریک ہے۔ جس کے نزدیک حقائق کی دریافت کے لیے کسی اور سرچشمے مثلاً وحی یا نبوت کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ اس کا وجود ہے۔ مقصد دنیا کی زندگی کو زیادہ خوشگوار بنانا، وسائل واسباب دنیا جمع کرنا اور اس دنیا کو جنت کا نمونہ بنانا ہے۔[5] روایت کے لغوی معنی رسم ورواج،عقائد، سنت ہیں نیز ماضی کے بزرگوں سے نئی نسل کو ایک تسلسل کے ساتھ منتقل ہونے والی فکر، نظریہ اور شعور بھی روایت میں شمار ہوتا ہے۔[6] جدیدیت کا لغوی معنی نیا بنانا کے ہیں ۔اس کے بہت سے پہلوؤں میں سے ایک اہم ترین پہلو تغیر بھی ہے۔جو دیگر امور کے علاوہ رائے، ارادے اور تدبیر بدلنے کو بھی شامل ہے۔بے ثباتی، ناپائیداری، متلون مزاجی، بے قراری جدیدیت کی منفی یا مثبت کیفیات ہیں۔ جدیدیت میں جہاں تغیر کو اہمیت حاصل ہے وہیں اس کے مدمقابل روایت میں استقلال، ثبات ،استواریت کی صفات لازمہ سمجھی جاتی ہیں۔

روایت میں مابعد الطبیعات بھی شامل ہوتی ہے۔[7] جن کی اہمیت مسلمہ ہے۔اسی لیے جب بھی کسی دور کی نسل کو فکری جارحیت کا سامنا ہوتا ہے تو اس میں ہمیشہ ماضی کی طرف رجوع کرنے کا ہی داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی روایت کے بنیادی ستون قرآن وسنت اور اسلامی تاریخ میں افراد، رجحانات اور حالات کے عمل وامتزاج کے نتیجے کے طور پر تشکیل پانے والے اسلامی عقائد، فلسفے، اخلاقیات اور اجتماعی وسیاسی رویے ہیں۔ لیکن مجموعی اسلامی روایت کا مرکز و محور وحی الٰہی اور حدیث رسول ہی ہے۔اس لیے اس کا تحفظ اور توسیع اشاعت بالکل فطری ہے۔ اسلام کی مذہبی روایات اور مغرب کے تصور جہاں کے درمیان کش مکش سے آج اسلامی روایات میں از سر نو دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔ اسی لیے اسلامی احیائی تحریک کے نزدیک مسلمانوں کا موجودہ زوال ماضی کے اصل اسلام یعنی اپنی روایت (قراں وسنت) سے دوری ہے۔[8]

مغربی تصور جدیدیت اور نشاۃ ثانیہ کا اصل مطلب وحی اور نقل شدہ علوم کو اعتبار سے فروتر سمجھ کر انہیں محض عقلیت پر پرکھنا ہے۔یہی "انسان پرستی Humanisim" ہے۔ جس میں فطرت کے حسن اور رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے اخلاقیات اور جائز ناجائز کی پابندی سے ماورا نفسانی تسکین کے ہر ممکن سامان کیے جانے کے لیے طاقت کا حصول فرض قرار پایا۔[9] اسے سرمایہ دارانہ تصور نے پروان چڑھایا اور بعد ازاں سرمایہ اور طاقت کی

بنیاد پر موجودہ حالات کی تصویر کشی کی۔ تحریک جدیدیت کا رشتہ اصلاح دین Reformation کی تحریک سے جڑتا ہے۔

روایات وجدیدیت کے درمیان مقابلہ ومباحثہ زوال روس کے بعد نیو ورلڈ آرڈر کے نام پر سیکولر عناصر کی جانب سے اپنی پسند ناپسند کو عالمی سطح پر پھیلانے سے بڑھ کر اس کے نفاذ کے لیے سرگرم عمل ہونے اور اس کے مقابل اسلامی احیا کی تحریک کے دنیا میں ہر جگہ اپنی تاریخی روایت کو خصوصی غیر معمولی اہمیت دینے میں نظر آتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جدید دنیا کے ساتھ اسلام کا تعلق اور اس علمی روایت کا مقام ومرتبہ اہم مسائل ہیں۔

جدیدیت پسندوں کے مدمقابل روایت پسندوں کا نظریہ اسلام ایک دوسری فکر اور نظام کا حامل ہے۔ جسے انبیائے اسلام نے خالق کائنات کی رہنمائی اور حکم سے پیش کیا ہے۔ جس میں انسان کی حیثیت ایک رعایا اور کائنات میں پھیلے وسائل حیات کے استعمال کے لیے خلیفہ (نائب حاکم) کی سی ہے۔ وحی پر مشتمل مستقل اقدار اور اصولی ہدایات، رہنمائی (ہدایت) کا حامل یہ نظریہ اسلام دیگر فلسفوں اور نظاموں سے ہٹ کر ایک نظام اخلاق اور تہذیب وتمدن کی تعمیر کرتا ہے۔ جس کے لیے ایک اور ہی طرز کے نظام تعلیم وتربیت کی ضرورت ہوتی ہے جو روایات کو مضبوطی کے ساتھ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ زندگی کے ہر ہر معاملے اور شعبہ زندگی میں یہ دوسروں سے الگ ایک امتیازی شان کا حامل ہے۔ اس بنیاد پر دوسروں سے الگ نظریہ زندگی اور کاروبار دنیا کو چلانے کا طریقہ رکھنے والی اس کی تہذیب بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ حاکمانہ اختیارات حاصل کرکے زمام کار اپنے ہاتھ میں لے۔ کیونکہ جس کے ہاتھ میں زمام کار ہوگی زندگی کے ہر شعبہ کی نقشہ گری اور اس کے اصول وضوابط وہی طے کرے گا۔ اس لیے ایک ہی وجود میں اسلام اور جاہلیت خالصہ کا اجتماع ایسی سخت پیچیدگی پیدا کرتا ہے جس سے عہدہ براہونا جاہلیت خالصہ کے مقابلے میں ہزاروں گنا زیادہ مشکل ہے۔[10]

جدیدیت کی حقیقت تک رسائی کے لیے نئے عہد کے ان اساسی تشکیلی عناصر کا جائزہ لینا ہوگا۔ جدیدیت کے تصور کے پیچھے سائنسی میدان میں ہونے والی مغربی ترقی کو سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مغربی مفکرین مسلم دنیا کو اس جانب متوجہ کرنے پر بھی کمربستہ ہوگئے ہیں کہ اگر وہ جدید ہونا چاہتے ہیں تو اس کے لیے مغربیت (Westernization) کو اختیار کریں۔ سیکولرزم کو اپنے نظام میں سموئیں۔ اور مغرب کی مختلف حوالوں سے برتری کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی اتباع کریں۔[11]

اگرچہ لفظ تجدید یا جدیدیت بنیادی طور پر جدت سے ماخوذ ہے جس کا مادہ ج،د،د۔ اس سے مراد چیزوں کو نیا کرنا۔ جدت آشنا بنانا۔ نیا سمجھنا کے ہیں۔[12] لیکن مروجہ دور میں موجودہ مغربی تصور جدیدیت ایک

معروضی، تاریخی اور اجتماعی تہذیبی عمل ہے۔ جس کو صنعتی انقلاب کے بعد حرکت پذیر عقلی نظریہ کے طور پر پروان چڑھایا گیا۔ جس کے حاملین نے ماضی کی اجتماعی و علمی روایت خصوصاً مذہب سے مکمل بغاوت اور آزاد ہو کر اپنے تصورات پیش کیے۔ کیونکہ ان کے نزدیک انسانی ذہن فطری اور اجتماعی حالت کو کنٹرول کرنے اور تبدیل کرنے کی غیر محدود صلاحیت رکھتا ہے۔ ان کا خدا کی بجائے انسان کے تاریخ ساز ہونے کا تصور اسلام کے بنیادی عقیدہ کے لیے چیلنج اور متصادم ہے۔ مغرب کی تاریخ میں سیکولرازم کا تصور اہم ہے۔ مذہب سے انکار نے وحی پر اعتقاد اور اعتماد اور علم کی بنیادوں کو متاثر کرنے کے علاوہ زندگی گزارنے کے صدیوں پرانے مروجہ طریقے بھی بدل دیئے ہیں۔ سیکولرازم کے سامنے ممکنہ حد تک مادی اہداف حاصل کرنے کا چیلنج ہے۔ جدید مسلم دنیا میں مغربی تصور جدیدیت نے ایک پیچیدہ صورتحال پیدا کر دی ہے جسے پہلے نو آبادیت کا نام دیا گیا اور اب جدیدیت کہا جاتا ہے۔[13]

اسلام میں جدیدیت یا جدت سے مراد یہ ہے کہ اسلام کو پیش آنے والے بگاڑ کو ختم کر کے اسے پہلی حقیقی صورت پر بحال کرنا، ماضی کے مسلمہ علمی اور فقہی اصول وضوابط کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی حدود میں مسائل زمانہ کی ضرورت کے مطابق تشریح و تعبیر کرنا، اس کو غیر اسلامی اثرات سے پاک صاف کرنا اور ممکنہ حد تک اسے اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینا ہے۔ اس کی ضرورت وافادیت اس بنا پر ہے کیونکہ اسلام ایک ہمہ گیر اور جامعیت والا دین ہے جو اپنے احکامات میں زمانے کی رعایت سے اپنے اصولوں کی حدود میں رہتے ہوئے لچک اور وسعت کا حامل ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے "من لم یعرف احوال زمانہ فھو جاھل" جو اپنے زمانے کے حالات سے واقف نہ ہو وہ جاہل ہے۔[14]

دراصل موجودہ مغربی جدیدیت کے فکری تانے بانے کاروباری روپ میں مسلمانوں کے ہاں وارد ہونے اور بعد ازاں سازشوں اور جنگی آلات کے بل بوتے پر ان پر قابض ہونے والے مغربی استعمار سے جڑے نظر آتے ہیں۔ جس کے مقاصد تجارتی سے بڑھ کر امت مسلمہ کے تعلیمی، سیاسی اور اقتصادی سسٹم کو دین سے دور کرنا تھے۔ اس دور کے فلسفہ قومیت اور سیکولرازم کے خلاف سید مودودی کا لٹریچر زبردست جواب ثابت ہوا۔ ان کے ستعماریت، اشتراکیت اور سرمایہ داری کے دور میں کیے گئے علمی و عملی جہاد کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے اسلام، تجدید اور تاریخی علوم اسلامی اور گزشتہ دو صدیوں اور ان کے بعد کی اسلامی تحریکوں کا مطالعہ اہم ہے۔ ان کا کیا گیا کام بدلتے حالات میں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ معاصر علوم اور فکر میں استدراک اور بصیرت کے حوالہ سے نئے مسائل کے متبادل حل کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہے۔[15] سید مودودی سمجھتے تھے کہ مغرب کی فوجی یلغار اور قبضہ ایک عارضی چیز ہے۔ جبکہ اصل اور دائمی خطرہ مغربی فکر کی ترویج تھا۔ جس کے ذریعے اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں

کے دماغوں پر تسلط تھا۔ کیونکہ فرائیڈ اور دیگر مفکرین کے زیر اثر انسان کے حیوان ہونے کے بارے میں پروان چڑھنے والی فکر کلی طور پر تصور اسلام کے خلاف تھی۔[16] اس ضمن میں سید مودودی کی فکر مندی کے مطابق مسلمان اپنی سیاسی برتری اور خود مختاری والے علاقوں میں بھی اس قدر فکری غلامی کا شکار ہیں کہ اس کے اثرات ان کے اداروں، کاروبار، ذاتی پسند ناپسند اور بنیادی اعتقادات تک وسیع ہو چکے ہیں۔ اور ترقی اور جدت کا تصور لیے ان کی انفرادی واجتماعی زندگی مغرب کے علوم وفنون کے زیر اثر رواں دواں ہو رہی ہے۔[17]

جدیدیت کے حوالہ سے تجدید اور تجدد کی اصطلاحیں اہمیت کی حامل ہیں۔ فکری حوالہ سے تجدید تو زمانے کی چلتی ہوئی زبان اور الفاظ میں دلیل کے ساتھ حقیقی دینی احکامات اور فکر کو پیش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان کو عطا کیے گئے تمام اسباب سے پورا پورا فائدہ اٹھانا ہے۔ جبکہ اس کے مقابل "تجدد" نئے حالات کے نام پر سرے سے دینی احکامات کو ہی کو بدلنا ہے۔ کہنے والے اگرچہ اسے بھی حالات اور زمانے کے درمیان مربوط قرار دیتے ہیں لیکن اس طرح کا ارتباط اسلام کی بجائے لادینیت سے میل کھاتا ہے۔ جس میں دین کی تعلیمات کو بظاہر بنیاد تو سمجھا جاتا ہے لیکن ان کے مطابق حالات کو نہیں ڈھالا جاتا بلکہ زندگیوں پر حاوی اور رواں تہذیب کو ہی عمل کا روپ اختیار کرنے کی جانب پیش قدمی شروع ہو جاتی ہے اور اسے امن وہم آہنگی قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ حقیقی اور مستحکم بنیادوں پر دین میں تجدد نہ ماضی میں تسلیم کیا گیا اور نہ آج اسے قبولیت عطا کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ مغرب کے زیر اثر "اسلام کی اصلاح" کرنے والوں یعنی جدیدیت لانے والوں کے لیے مصطفیٰ کمال پاشا ترکی کے اقدامات ایک پر کشش نمونہ ہیں۔ جس پر اتاترک کی سوانح حیات مرتب کرنے والے ایک مصنف کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے سید مودودی کہتے ہیں کہ اس کے بقول ترکوں کے باپ نے اصل اسلام تو برقرار رکھا مگر اس نے مولوی یعنی مذہبی رہنماوں کی اجارہ داری ختم کی۔ جنہوں نے زمانے کے ساتھ اسلام کو نہیں چلایا۔ ایسے دین پسند رہنماوں کی فکر کو ختم کرنا ہی اتاترک کا اصل کارنامہ تھا جو کہ خالص اسلام قرار دیا جا سکتا ہے۔[18] روایت وجدیدیت کی کشمکش میں مغرب کا یا مغرب سے متاثرہ جدید ذہن کا اصل مسئلہ سیکولرازم ہے۔ جو بڑے ملفوف الفاظ میں بڑی صفائی سے ہمیں ہڈسن کے ان خیالات سے ملتا ہے:

مجھے بھی سائنسی مضامین پر قومی، مذہبی یا ثقافتی لاحقہ لگانا کچھ اچھا نہیں لگتا، خواہ یہ سوشیالوجی ہو یا سیاسیات اور خواہ کرسچیئن یا اسلامی معاشیات۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ کسی کے ساتھ نظریہ یا قدر کا بنیادی اختلاف ہے۔ یہ بس اس لیے ہے کہ مذہب کا اپنا ایک دائرہ ہے اور سماجی علوم کا اپنا میدان۔ جبکہ لوئیس کانتوری کے

نزدیک عمرانی علوم میں تنقیدی لٹریچر کی بنیاد ایک مخصوص تصور علم ہے۔ نشاۃ ثانیہ کا تصور علم انفرادیت پسندی، عملی جواز اور سیکولرازم پر زور دیتا ہے۔[19]

اس جدیدیت کے نتیجے میں مسلمانوں میں روایت پسندی Traditionalism اور جدیدیت پسندی Modernismپیدا ہوئے۔ جدیدیت پسندوں (Modernists) کانقطۂ نظریہ تھا کہ قدیم علم نئے حالات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان کا فکری ارتقاجن نئی تبدیلیوں کو بیان کررہاہے دین ان کو اپنے دامن میں سمونے کی صلاحیت کا مظاہرہ کرے۔[20] یہ تبدیلیاں چونکہ ہر شعبہ زندگی میں آرہی ہیں اس لیے اس سوچ نے بڑے گہرے بنیادی سوالات کو جنم دیا۔اور کشمکش کا دائرہ مزید وسیع ہوا۔ مثلاً آج ہر سو معیشت اور اقتصاد کا معاملہ زیر بحث ہے۔اس ضمن میں موجودہ مغربی لٹریچر میں جس قدر ترقی کا تصور پایا جاتا ہے اسلام کا معاشی ترقی کا تصور اس سے کہیں برتر اور جامع ہے۔ معاشی میدان میں مسلمانوں کی روایت پسندی یا اس کے ساتھ وابستگی مجموعی ترقی پر یقین رکھنا ہے۔ جس میں اخلاقی ،معاشرتی،سیاسی،معاشی سب اجزا شامل ہیں۔وہ بھی معشیت کی جدیدیت پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے نزدیک جدید کا مطلب مغرب زدہ ہونا نہیں ہے۔ معاشی جدیدیت میں اسلام کے نزدیک صرف صنعتی ترقی ہی نہیں بلکہ معیشت کی وسعت کے ساتھ ساتھ اس کی عادلانہ تقسیم بھی ہے۔ کیونکہ بنیادی اقدار اور نقطہ نظر اس لیے ہیں کہ ان کو سرگرمیوں، پروگراموں اور پالیسیوں میں روبہ عمل لایا جائے۔[21]

جدیدیت کے مغربی فلسفہ کی بنیاد سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کی گئی نفسیات پر ہے۔ جو سادہ الفاظ میں ہر فرد کو اپنے جان ومال کا نہ صرف تنہا مالک قرار دیتا ہے بلکہ اس پر کسی اور کے اختیار کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اس پر اسے تصرف کے بھی کلی اختیارات عطا کرتا ہے۔ یہ خود غرضی کے فطری نظریہ سے شروع ہو کر تمام اعلیٰ انسانی صفات کو بالآخر دبا دینے والی انتہائی خود غرضی یعنی انفرادیت پرستی پر ختم ہوتا ہے۔ اس سوچ کا لازمی نتیجہ دولت وثروت کی چند ہاتھوں میں محدودیت اور سوسائٹی کی تقسیم ہے۔[22]

جدیدیت کے ارتقائی اور حقیقی درست فلسفہ اور عمل سے کسی باشعور کو انکار نہیں۔ اسی لیے سید مودودی معاشی معاملات کے پس منظر میں لکھی گئی اپنی کتاب سود میں اس بات کا بے لاگ اظہار کرتے ہیں کہ دنیا میں اس وقت مختلف شعبہ ہائے زندگی اور بالخصوص معاش کے میدان میں ماضی کے مقابلہ میں بہت تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ اس لیے ایسے حالات میں مسلمان فقہا کا عراق، حجاز اور شام و مصر کے معاشی وتمدنی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا گیا کام اور مرتب قوانین مسلمانوں کے جدید حالات اور ضروریات کی کفایت نہیں کرتے۔ ان پر اضافوں

کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مخصوص حالات کے لیے طے کیا گیا قانون زمانے، حالات اور مقامات کے بدل جانے پر تبدیلی کا فطری طور پر تقاضا کرتا ہے۔ جسے نہ سمجھنے والے اسلامی قانون کی روح سے واقف نہیں۔[23] لیکن جو طریقہ جدت پسندوں نے اختیار کیا ہے وہ اسلامی شریعت کے احکام کی تدوین کا نہیں بلکہ ان کی تحریف کا ہے جس کی وجہ سے ہم معاشی میدان میں اسلام سے مرتد ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک کامیاب بس وہی ہے جس نے جائز وناجائز کی تمیز کے بغیر دولت بے شمار حاصل کی ہو۔ اور اس کے لیے اس نے چاہے کتنے ہی لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ مارا ہو اور اپنے ذاتی مفاد کے لیے دنیا میں شر، بداخلاقی اور فواحش پھیلانے سے بھی اجتناب نہ کیا ہو۔ اس کے مقابل اسلام کی نگاہ میں کامیاب وہ ہے جسن نے اسلام کی معاشی تعلیمات کے مطابق اور دوسروں کے حقوق کی نگہداشت کرتے ہوئے معاش حاصل کی ہو۔[24]

تجدید دین کے ضمن میں سید مودودیؒ نے تجدید کی ضرورت کے پس منظر کو بڑی تفصیل سے انسانی تاریخ میں پائے جانے والے نظریہ ہائے حیات کے حوالہ سے بیان کرتے ہوئے اسلام سے متصادم نظام حیات کو جاہلیت سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے نزدیک جاہلیت کی حالت سے اسلام کی تعلیمات کو نکال کر پھر سے درست حالت میں لے جانے کے لیے ہر دور میں کار تجدید کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کار تجدید کے مختلف شعبے ہیں جن کا واضح ہونا ضروری ہے۔ نیز اس کے لیے اپنے حالات کی درست تشخیص بھی لازم ہے۔[25]

رائج جدیدیت کی اصطلاح کے پس منظر میں موجود مغربی فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مفکرین کے نزدیک جدیدیت اور مغرب ایک چیز ہیں۔ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ مغربی مفکرین کے نزدیک اپنے بنیادی عقائد کو چھوڑ دینا ہی صرف ترقی اور جدیدیت ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ کائنات اور اس میں موجود انسان اتفاقی حادثہ کی پیداوار ہیں اور انسان دیگر جانوروں کی طرح ایک جانور ہے جو کچھ خواہشیں رکھتا ہے جن کی تکمیل اس کی فطرت کا تقاضا ہے اور جن کے لیے اس کو آلات جسمانی و دیگر میسر ہیں۔ لہٰذا اس کی زندگی کا بہترین مصرف اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے بہتر سے بہتر ذرائع کا استعمال ہے جس کے لیے کسی قسم کی قید و بند بالخصوص اخلاقیات کے نام سے نہ ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ تصور انسان کسی ایسی بالاتر ہستی کا قائل ہی نہیں جو انسان کی درست رہنمائی کر سکے۔ آج جن قوموں کی تمدنی ترقی (جدیدیت) کے گن گائے جا رہے ہیں ان کی تہذیب و تمدن کی بنیاد میں یہی فکر پیوست ہے۔ جس کی عین فطرت ایک مادہ پرستانہ نظام اخلاق کی پرورش ہے۔ اسی سوچ پر پروان چڑھنے والا نظام تعلیم و تربیت اپنے ماننے والوں میں الحاد و مادیت پرستی کی روح پھونک دیتا ہے۔ یہ بالکل خالصہ جاہلانہ تصور ہے۔ جس کی آبیاری میں مفکرین مغرب کے افکار نے پریس کے استعمال، اشاعت کی کثرت اور عام فہم زبان کی وجہ سے افراد

سے بڑھ کر پوری پوری قوموں کو ذہنی طور پر متاثر کیا۔ان کے اخلاق بدلے۔نظام تعلیم، نظریہ حیات، نظم تمدن وسیاست اور مقصد زندگی بدل دیا۔[26] ان وجوہات سے یہ فکر اور سسٹم سید مودودی کے ہاں قبولیت سے محروم رہا۔اسی لیے اس کے مقابلہ میں مسلمانوں میں اور بالخصوص برصغیر میں مصلحین ملت نے مغربی جاہلیت کے مقابلہ میں اسلامی تجدید کی تحریک شروع کی۔جو روایت سے وابستگی کا نام ہے۔جدیدیت کے مقابل اس کی بظاہر ناکامی کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ تجدید دین کے لیے صرف علوم دینیہ کا احیا اور اتباع شریعت کی روح کو تازہ کرنا ہی کافی سمجھنا تھا۔جبکہ اس کے لیے ایک جامع اور ہمہ گیر اسلامی تحریک کی ضرورت تھی جو تمام علوم وافکار،فنون اور تمام شعبہ ہائے زندگی پر اپنا اثر پھیلاتی۔اس لیے کہ اب تجدید کا کام نئی اجتہادی قوت کا طالب ہے۔کیونکہ جاہلیت جدیدہ بے شمار نئے وسائل ومسائل زندگی کے ساتھ آئی ہے۔[27] اسباب کی جدیدیت کے ضمن میں دیکھا جائے تو مسلمانوں نے ہمیشہ وسائل کی ترقی کو نہ صرف اہمیت دی ہے بلکہ انہوں نے اسباب کی جدت کاری اور ترقی کے نئے نئے راستے بھی کھولے۔جس کو تسلیم اور بیان کرنے والے اہل علم مغرب میں بھی موجود ہیں کہ یورپ اور مغرب کی موجودہ ترقی کے اصل سرے اسلامی سائنسدانوں اور اہل علم وفن سے ملتے ہیں،اور یورپ اس حوالہ سے اسلام اور عرب کا احسان مند ہے۔[28]

اس ضمن میں وہ اپنے ایک مضمون عقلیت کا فریب میں سرمائے کی بنیاد پر اور بے لگام آزادی کے حصول کی تلاش میں سرگرداں اس مغربی تہذیب کے پیچھے کارفرما ذہنیت کے متعلق کچھ مزید گوشے وا کرتے ہوئے سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

> عقلیت(Rationalism) اور فطرت(Naturalism) یہ دو چیزیں ہیں جن کا اشتہار گزشتہ دوصدیوں سے مغربی تہذیب بڑے زور شور سے دے رہی ہے۔۔۔حالانکہ مغربی تہذیب کے تنقیدی مطالعے سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہوتی ہے کہ اس کی بنیاد نہ عقلیت پر ہے نہ اصول فطرت کی متابعت پر،اس کے برعکس اس کا پوراڈھانچہ حس،خواہش اور ضرورت پر قائم ہے۔اور مغرب کی نشاۃ جدیدہ دراصل عقل اور فطرت کے خلاف ایک بغاوت تھی۔اس نے معقولات کو توڑ کر محسوسات اور مادیت کی طرف رجوع کیا۔۔۔فطرت کی رہنمائی کو مردود ٹھیرا کر خواہش اور ضرورت کو اپنا رہنما بنایا۔۔۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ موجودہ تہذیب اور اس کے اثر سے موجودہ تعلیم کا میلان زیادہ تر حسیات اور مادیت کی طرف ہے۔وہ خواہشات کو بیدار کردیتی ہے۔۔۔مگر عقل اور ذہن کی تربیت نہیں کرتی۔۔۔اس غیر معقول عقلیت کا اظہار سب سے زیادہ ان مسائل میں ہوتا ہے جو مذہب سے تعلق

رکھتے ہیں کیونکہ یہی وہ مسائل ہیں جن کے روحانی، اخلاقی اور اجتماعی و عمرانی مبادی مغرب کے نظریات سے ہر ہر نقطے پر متصادم ہوتے ہیں۔[29]

سید مودودی روایت کی بجائے اس مغربی جدیدیت کے سخت ناقد اس لیے نظر آتے ہیں کیونکہ ان کی اٹھان قرآن وسنت کے مضبوط سہاروں پر تھی۔ اسی تناظر میں وہ علوم جدیدہ اور اکتشافات حاضرہ سے مرعوب ہو کر مذہب کی طرف ایک ترمیم طلب نگاہ ڈالنے والے سیکولر عناصر کو" نئی طرحیں ڈالنے کا شوقین" قرار دیا ہے جنہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ عمل وخیال کے حوالہ سے عقل مندانہ اور بچگانہ خیالات کیسے ہوتے ہیں۔[30]

اسلامی حوالہ سے مذہب کی ابدی تعلیمات اور بدلتے حالات میں مطابقت کی تلاش مذہبی علما کا ایک مستقل وظیفہ رہاہے۔جبکہ مغرب کا اصل مسئلہ معاشرت اوراجتماعی زندگی کی تشکیل کومذہب کے دائرے سے نکالناہے۔ آج سیکولرازم یعنی مذہب فرد کا شخصی معاملہ ہےاوراسے اجتماعی زندگی سے کوئی سروکار نہیں ویٹی کن کی سطح پر اختیار کیا گیاایک مذہبی موقف ہے۔مسلمان بحیثیت مجموعی کبھی اس کے قائل نہیں رہے کہ مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دیا جائے، بلکہ ان کا یہ دعویٰ رہاہے کہ ایک ہیئت اجتماعی کی تشکیل میں بھی اسلام اسی طرح رہنماہے جس طرح کہ وہ فرد کے انفرادی مذہبی اعمال کی تنظیم میں اس کی رہنمائی کرتا ہے۔[31] سید مودودی کی فکر پر قائم اسلامی تحریک کا مقصد یہ فکر پروان چڑھاناہے کہ اسلام جدید کاری کا تو حامی ہے۔لیکن کسی صورت مغرب کی اندھی تقلید میں جدیدیت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔انہوں نے مغربی تہذیب کے بارے میں متوازن رویہ اختیار کرتے ہوئے اس کے اصولوں،اس کی بنیادوں،کامیابیوں اور ناکامیوں کا بھرپور تجزیہ کرتے ہوئے نہ صرف تقلید یورپ اور اندھی غلامانہ ذہنیت کو مسترد کیا، بلکہ ساتھ ہی یہ رہنمائی بھی کی کہ مغرب میں ہر چیز غلط نہیں اور اس کی ترقی کے حقیقی اسباب پر توجہ نہ کرنا غیر صحت مندانہ رویہ ہے۔ان کی نگاہ بلا تفریق مشرق ومغرب کے تمام انسانوں پر رہی۔[32] کار تجدید کے حوالہ سے ان کا ذہن صاف تھا۔انہوں نے اس ضمن میں جو اظہار خیال کیا وہ اتنا منطقی اور مدلل ہے کہ کوئی غبی انسان ہی اس سے انکار کر سکتا ہے۔تاریخ کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کا غالب اسلامی نظام فکر سید مودودیؒ کا نظام فکر ہے۔اب یہی علم کلام،یہی اصطلاحیں اور یہی زبان ہے جس کا سکہ چلے گا۔تعبیر دین کے بارے میں سید مودودیؒ سے صرف نظر کر کے ہم کہیں نہیں جاسکتے۔یہ امر دلچسپی کا باعث ہو گا کہ سید مودودیؒ کی تعبیر دین اب مسلمہ تعبیر دین ہے اور جسے کم وبیش ان لوگوں نے بھی اپنالیاہے جو ان کی مخالفت کرتے تھے۔مثلاً ''اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے'' کا جو جملہ سید مودودیؒ نے استعمال کیا،اب اس کی حیثیت ایک مسلمہ اصول کی ہی نہیں ہے بلکہ ایک نعرے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔[33] اس وسیع نظر اور مغرب

کے متعلق متوازن فکر کے باوجود اسلام کی روایت کے ساتھ ان کی وابستگی شک وشبہ سے پاک رہی۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان میں انہوں نے اس بات کا برملا اظہار کیا ہے کہ ان کے نزدیک قرآن اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زندگی کے اسلامی لائحہ عمل میں کمال توازن ہے۔اس لیے میں صرف مسلم و غیر مسلم دونوں کو اسلام کی طرف حقیقی معنوں میں رجوع کرنا چاہیے تاکہ دنیا میں امن وسکون قائم ہو اور ظلم کا خاتمہ ہو۔[34] اسی ضمن میں ایک مقام پر اسلام کے دنیا میں آنے کے مقصد اور مشن کی جس انداز میں انہوں نے وضاحت کی ہے اس سے بھی ہمیں ان کے اسلامی روایت پر اعتماد اور مغربی تصور جدیدیت کے حوالہ سے واضح فکر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ان کے نزدیک فی الواقع اسلام کا مشن انسان کو اس دنیا میں محض چند عقائد اور اخلاقی اصولوں کی تعلیم دے کر ہر نظام تمدن میں بآسانی کھپانا ہی نہیں بلکہ عقائد اخلاق اور عبادات کے ساتھ ساتھ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام معاملات سے متعلق احکام و قوانین پر مبنی اپنا ایک مکمل نظام زندگی دے کر تمام انسانوں کی سلامتی کی ضمانت فراہم کرنا ہے۔[35]

روایت وجدیدیت کے مابین موجود فاصلے کی وجوہات اور اس ضمن میں کرنے کے کام کو جس وضاحت سے سید مودودیؒ نے پیش کیا وہ انہی کا خاصہ رہا۔ اس سلسلہ میں ان کے نزدیک مسلمانوں کی عظیم اکثریت اب بھی اسلام کے سچا دین ہونے پر پختہ ایمان رکھتی ہے اور مسلمان رہنا چاہتی ہے، لیکن اب جدیدیت کے نعروں میں اس کی فکر مغربی افکار اور مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اسلام کے حوالہ سے اضطراب اور تشکیک کا شکار ہو رہی ہے۔ کیونکہ دنیا مغرب کے سیاسی غلبہ کے ساتھ ساتھ اس کے علمی و فکری دبدبہ اور تسلط سے بھی متاثر ہے۔اور یہ اس وقت تک دور نہ ہو گا جب تک قرآن کی فکر کے مطابق اسرار کائنات اور نظام حیات کے اصولوں کو بصیرت اور بصارت سے خالص اسلامی فکر کے نتیجہ میں سامنے لانے والے آزاد اہل فکر پیدا نہ ہوں۔[36]

درحقیقت یہ سب حضور ﷺ کی تعلیمات پر انمٹ یقین تھا کہ جنھوں نے انسانیت کو اوہام پرستی سے نکال کر خردمندی کا راستہ دکھایا۔ حقیقت پسندی کے ادراک اور عقل ودانش کی قدر سکھائی۔اسی وجہ نے انسانیت کو سائنسی ترقی کی شاہراہ پر گامزن کیا۔ عام پڑھے لکھے علما نے مختلف نئی ایجادات مثلاً لاؤڈ سپیکر وغیرہ کے استعمال پر قدغنیں لگائیں لیکن ان کے مقابلہ میں سید مودودیؒ نے ان جیسے ذرائع کے انتظام کو خدا کی حکمت قرار دیا ہے۔وہ آلات کو بجائے خود ناپاک قرار نہیں دیتے۔[37] اس یقین کی بنیاد پر سید مودودی کے ہاں روایت وجدیدیت کے حوالہ سے جو واضح تصور پایا جاتا ہے اس کی ایک جھلک شعبہ سیاست میں روایت اسلام کی اہمیت کے حوالہ سے ان کی کتاب خلافت وملوکیت کی ان ابتدائی سطور میں بھی نظر آتی ہے جس میں وہ سیاست کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے

قرآن کے اساسی تصور کائنات کو سمجھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ جس کے مطابق خالق کائنات انسان کو اس دنیا میں اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا علم اور اس کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ لیکن اپنی کائنات میں حاکمیت کی جملہ صفات اور جملہ اختیارات صرف اسی کے پاس ہیں۔ اسی لیے انسانی زندگی کے معاملات بھی اسی کے حکم اور رہنمائی کے مطابق چلنے چاہیں۔ یہ رہنمائی اور اس کے عملی نمونے انسان تک رسولوں کے ذریعے پہنچے ہیں۔ اس بنیاد پر انسان کا اپنی زندگی کے لیے اپنی مرضی کو قانون بنانا خدا اور رسول کے Supreme Law کی نفی ہے۔[38]

تصور جدیدیت کے مطابق فرد کو لامحدود آزادی اور اختیار حاصل ہے۔ جبکہ سید مودودیؒ کے نزدیک لامحدود آزادی اور اختیار تو کسی انسانی مجلس قانون ساز کو حاصل نہیں۔ ان کے نزدیک انسانی مجالس قانون ساز کے اختیارات اللہ کے اختیارات کے مقابل کوئی درجہ اور حیثیت نہیں رکھتے۔ کے حقیقی حاکم اور اس کے نمائندہ پیغامبر رسولوں کے دیئے ہوئے قانون سے تجاوز کر کے نہ تو کوئی پالیسی اختیار کی جاسکتی ہے اور نہ کوئی حکم دیا جاسکتا ہے۔[39] وہ انسان کو جدید مغربی افکار سے متعارف کروانے والے ہیگل اور مارکس کے فلسفوں پر تنقید کرتے ہوئے ایک جانب ان کی غلطی بھی واضح کرتے ہیں اور ساتھ درست جدیدیت اور اس میں روایت اسلام کے کردار کو بھی واضح کرتے ہیں۔ تفہیمات کے نام سے اپنے سلسلہ مضامین میں وہ جدیدیت کے علمبرداروں ہیگل اور مارکس کو قرآن کی تعلیمات سے نابلد ہونے کی وجہ سے ٹھوکریں کھانے والا بتاتے ہیں۔ کیونکہ اس لاعلمی کی وجہ سے وہ انسان کی اور کائنات کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ جنہوں نے انسان کو صرف بھوک ،شہوت، حرص، خوف، غضب وغیرہ کا حامل قرار دیا ہے۔ اور اس کے روحانی وجود جو اخلاقیات کا مرکز ہے سے انکار کیا ہے۔ یہ روحانی وجود انسان سے اندر رہی اندر تقاضا کرتی ہے کہ انسان اپنی حیوانی ضروریات کو بھی جانوروں کی طرح نہیں بلکہ انسانیت کے شایان شان طریقوں سے پورا کرے۔ یہ اخلاقی حس انسان کو بلند نصب العین عطا کرتی ہے۔ جس سے انسانیت کو انبیائے کرام علیہم السلام نے نہ صرف متعارف کرایا بلکہ اس کے مطابق انسانی تہذیب بھی عملاً قائم کی۔[40]

سید مودودیؒ مسلمانوں کو مغرب کی فکری غلامی اور الحاد کی پیروی بجائے حقیقی جدیدیت کے ضمن میں رہنمائی فرماتے ہوئے بتاتے ہیں کہا یک قوم کو دوسری قوم سے اس کی علمی تحقیقات، ان کے نتائج اور ثمرات اور عملی طریقے اور مختلف اداروں کے قیام کے حوالہ سے مفید رہنمائی ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ اور ان کی قدر میں جاہلیت کی بنیاد پر قومی تعصب کو سامنے رکھتے ہوئے کنجوسی نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن کسی قوم کا دوسری قوم کے لباس، اس کی طرز بودوباش کو اختیار کرنا اور پھر انہی کو ترقی کا ذریعہ سمجھنا صرف ذہنی بیماری کی علامت ہے ۔[41] سید

مودودیؒ نے اسلامی روایت کے ماخذ اور بالخصوص ماخذ اول قرآن مجید کے تشریحی ماخذ یعنی سنت رسول ﷺ کے بارے میں جو بحث اپنی کتاب سنت کی آئینی حیثیت میں کی ہے وہ روایت اسلام کے حوالہ سے قابل توجہ ہے۔[42]

سید مودودی نے مسلمانوں پر جدیدیت کے مغربی فلسفہ کے حملہ کے خلاف جو کام کیا ہے اس کے پس منظر میں موجود ان کے خیالات کی موجودگی نہ صرف ان کے اسلامی روایت اور اسلامی جدیدت پر مضبوط ایمان اور اعتقاد کو واضح کرتی ہے۔ بلکہ ان کے ہاں ہمیں سائنس و ٹیکنالوجی کے متعلق خیر و شر کے حوالہ سے بڑی واضح اور دماغ کو اپیل کرنے والی سوچ بھی ملتی ہے۔ ان کے مطابق یہ سائنسی ایجادات اپنے اندر اپنے استعمال کے حوالہ سے خیر وشر والوں کے لیے برابر کارآمد ہونے کا حوالہ رکھتی ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کو بھی اسلامی الہامی تہذیب کو فروغ دینے کے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے لیے انہی جدید ذرائع سے کام لینا چاہیے۔[43] ایک دوسرے مقام پر روایت سے وابستگی کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ سے مماثلت پیدا کرنے کا مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی تمدنی حالت جو ان کے عہد میں تھی کو بالکل اسی صورت میں باقی رکھنے کی کوشش کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تصور در حقیقت روح اسلام کے بالکل منافی ہے۔ اسلام کا مقصد دنیا میں اسباب کے ضمن میں آنے والے فطری تغیر وارتقا کو روکنا نہیں بلکہ اس کو غلط راستوں سے پھیر کر صحیح راستہ پر چلانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس ضمن میں مسلمان کا کام امامت ور ہنمائی ہے جسے **اخرجت للناس** میں واضح کیا گیا ہے۔[44] وہ عصری تقاضوں کی تکمیل کے سلسلہ میں اسباب دنیا کے درست اور بر وقت استعمال کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے طرز عمل کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حوالہ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے قوانین طبعی شریعت کے تحت استعمال کر کے زمین میں خدا کے خلیفہ ہونے کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے طبیعی قوتوں کو اسلامی تہذیب کا خادم بنایا اور اس حوالہ سے وہ کفار ومشرکین سے آگے بڑھ گئے۔[45]

دیکھا جائے تو سید مودودی روایت پسند مخصوص اور تنگ نظر علما کے مقابل ہمیں ارتقائیت اور ترقی پسندانہ سوچ کے پرجوش حامل نظر آتے ہیں۔ وہ تمام سائنسی آلات اور کمالات کو احکامات ربی کے تابع بنا کر خدمت انسانیت میں لانے اور ان کو مزید ترقی دینے کے دعویدار تھے۔ اس کا اظہار انہوں نے اسلامی روایت پسندی کے ضمن میں اپنی تحریروں اور تقاریر میں جابجا بیان کیا ہے۔ اپنی کتاب تفہیمات میں وہ مذہب اسلام کو عقل کو اپیل کرنے والا خالص علمی مذہب قرار دیتے ہیں۔ جو انسان کو اندھیرے سے علم کی روشنی میں لا کر اس کی قوتوں کو بیکار کرنے کی بجائے انہیں صرف کرنے کی درست راہ دکھاتا ہے۔ اور اسے صحیح سمت عطا کرتا ہے۔[46] ایک اور مقام پر اپنے خیالات

یوں واضح کرتے ہوئے اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ آج بھی اس ضمن میں خدا کی کتاب اور اس میں دی گئی ہدایت سے فیض یاب ہو کر اعتقاد و عمل کی گمراہیوں سے بچنے کا دارومدار علم اور عقل پر ہے۔ لیکن اس ضمن میں سب سے بڑا المیہ مسلمانوں میں تفقہ فی الدین اور تدبر فی الکتاب و السنۃ کا نہ پایا جانا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے اعتقادات کھوکھلے، عبادات بے روح اور ان کی زندگیاں بدنظمی کا شکار ہو گئی ہیں۔[47]

جدت و جدیدیت کے تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی روایات کے ذخیرے میں سیرت نبوی ﷺ کے بعد جس پہلو پر سب سے زیادہ اہل مغرب نے ہرزہ سرائی کی ہے وہ تصور جہاد ہے۔ مسلمانوں کی پرتشدد تصویر کشی کرنے اور تصور جہاد پر حملہ آوروں کے سامنے سید مودودی بڑے استقلال اور قوی دلیل کے ساتھ حقائق کو اس طرح پیش کرنے والوں کے متعلق بتاتے ہیں کہ اسے پیش کرنے والوں میں وہ وہ لوگ شامل ہیں خود کئی عشروں صدیوں سے دولت اقتدار کی تلاش میں ساری دنیا میں حملہ آور کی حیثیت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تاکہ دنیاجہان کے وسائل پر قابض ہوں۔"[48] جبکہ جہاد کی اسلامی حقیقت بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ جہاد درحقیقت ایک ایسی منظم جدوجہد کا نام ہے جس کے ذریعے معاشرے کے اجتماعی سسٹم کو پرامن اور انسانیت کی بہتری کے لیے اسلام کے اصولوں کی روشنی میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اور اسلام کا جہاد محض خدا کی رضا کے لیے کیا جاتا ہے جس میں کسی انسان سے دشمنی نہیں کی جاتی بلکہ ظلم اور فساد اور بداخلاقی کے خلاف ہے۔[49]

روایت و جدیدیت کے تناظر میں نبی کریم ﷺ کی حیثیت اور مقام کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے سید مودودیؒ بتاتے ہیں کہ نبی کی اطاعت فرض اور مدار دین ہے۔ جس میں اللہ کی جانب سے تفویض کردہ قوت فیصلہ Judgment اور اقتدار حکومت Authority دونوں شامل ہیں۔ اس حوالہ سے نبی ﷺ کا مشن خدا کی اطاعت وفرمانبرداری بھی کرانا تھا۔ اور انسان پر سے انسان کی اطاعت وفرمانبرداری کا قلادہ اتارنا بھی تھا۔[50]

اسی طرح جدیدیت کی رو میں بہہ کر رواداری کے تصور کو بھی اہل مغرب نے خوب اچھالا ہے۔ اس ضمن میں حقیقت کو صاف کرتے ہوئے سید مودودی مختلف اور متضاد خیالات کو درست قرار دینا "رواداری" کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور اسے "منافقت" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اپنے عقائد لوگوں کے عقائد یا اعمال کے متضاد خیال یا اعمال رکھنے والوں کو غلط سمجھتے ہوئے برداشت کرنا ان پر رنج پہنچانے والی نکتہ چینی نہ کرنا یا ان کو اپنے عقیدہ و عمل سے روکنے کے لیے زبردستی کا طریقہ اختیار نہ کرنا رواداری ہے۔ لیکن خود ایک عقیدہ اور عمل رکھنے کے باوجود محض دوسرے لوگوں کی خوشی کے لیے ان کے عقائد کو درست تصدیق کرنا کسی صورت رواداری

نہیں۔[51] 'اسلام' کے علاوہ نوع انسانی کے باقی سب مذاہب میں حق اور سچ کا موجود عنصر دراصل اسلام کا ہی نتیجہ ہے۔[52]

قرآن وحدیث میں برے انسانی اعمال کی پاداش میں آنے والے عذابوں کا ذکر بڑی وضاحت سے اور تسلسل سے ملتا ہے۔ جدیدیت کی آڑ میں اسلامی کی روایت سے انحراف دراصل حق سے انحراف اور عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس ضمن میں سید مودودی روایت کے فلسفہ کو بڑی مضبوطی سے بیان کرتے ہوئے تاریخ کے اخلاقی تصور کے موید نظر آتے ہیں۔ ان کے بقول عذاب کی شکلیں چاہے مختلف ہوں لیکن وہ قانون جس کے تحت یہ عذاب آتے ہیں ایک ہی ہے اور ہرگز بدلنے والا نہیں۔ اس کی پہلی شق کے مطابق خوشحال لوگوں کی خرمستیاں عذاب الٰہی کا موجب بنتی ہیں۔ نعمتیں چھین لی جاتی ہیں جن کی ذمہ دار عذاب رسیدہ قوم خود ہوتی ہے۔ اور عذاب الٰہی کے یہ قوانین آج بھی جاری وساری ہیں۔ موجودہ خوشحال قوموں خاص کر مغربی اقوام کی اندرونی حالت زارا س عذاب کی گرفت میں آنے کی گواہی دے رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں عیش وعشرت میں شب وروز گزارنے والے مرد وخواتین اتنے شقی القلب ہوگئے ہیں کہ اپنی اولادوں کو اپنے ہاتھوں بہیمانہ طریقوں سے قتل کررہے ہیں۔ اس سلسلہ میں سید مودودی نے پال بیورو کی کتاب Towards moral Bankrupty کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔[53]

فطری تجدید کے ضمن میں سید مودودی اسلام کے تمدنی اصلاح Social reform کے قانون کے امتیازات کو بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ قانون تدریج کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ابتدا میں تمام تر زور ایمان کو مضبوط کرنے ،اسلامی معاشرت اور تہذیب استوار کرنے کے ضمن میں مدنیت صالحہ کے اصول ذہنوں میں اتارنے پر صرف کیا گیا۔ اور یہ تجریدی تجدید ہر شعبہ زندگی میں کی گئی مثلاً معاشی معاملات میں سود کا خاتمہ کرکے معاملات کو فیاضی ،فراخدلی اور امداد باہمی پر استوار کرنے کے لیے مکہ میں اخوت کے جذبہ کو پروان چڑھایا گیا اور بعد ازاں مدینہ میں سود کو بالکلیہ ختم کیا گیا۔ اسلام اخلاقی اصول بیان کرنے والی حکمت کے ساتھ معاملات زندگی میں اپنے اصولوں کے نفاذ کے لیے درکار تدبر statesmanship بھی رکھتا ہے۔[54]

مغربی تہذیب میں پلنے بڑھنے والی، اس کے اندر باہر کو خوب واقف اور یہودیت سے اسلام کی جانب رجوع کرنے والی نامور مصنفہ مریم جمیلہ کے بقول سید مودودی عصر حاضر کی نشاۃ جدید کی فکر اور ترقیات کے تمدنی پہلوؤں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سید مودودی نے عالمی اسلامی تحریک کی بین الاقوامی محاذ پر صحیح اسلامی ذرائع کی طرف مبذول کرائی ہے تاکہ وہ اصولوں پر سمجھوتہ کیے بغیر پیش آمدہ چیلنجوں کا مقابلہ کرسکے۔ اسلامی تحریک کے

ہاں جدید کاری تو ہے مگر مغرب کی اندھی تقلید میں جدیدیت نہیں۔ یہ تحریک ایک طرف پوری طرح سے ترقی اور جدید کاری کا شعور رکھتی ہے اور دوسری طرف مغرب زدگی اور سیکولرازم سے بھی واقف ہے۔ کسی نوایجاد چیز کو ممنوع ٹھہرانا اس بنیاد پر بالکل غلط ہے کہ وہ دور رسالت ماب یا صحابہ میں موجود نہ تھی۔ اس لیے مسلمان سائنٹفک ایجادات اور تمدن جدید کے آلات ووسائل کے متعلق اپنا رویہ تبدیل کریں۔ یہ آلات بجائے خود ناپاک نہیں بلکہ وہ طریق استعمال ناپاک ہے جو مغرب کی باغیانہ تہذیب نے اختیار کر رکھا ہے۔[55] جدیدیت سے انسانیت کے حقیقی تشخص کو پہنچنے والے نقصان کے تدارک کے لیے مغربی ذہن کی ساخت اور اس کے طریقہ کار کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اصول تجرید کے ضمن میں سنت رسول ﷺ بنیادی فہم عطا کرتی ہے۔ جو اسلامی روایت میں مقام اور اہمیت کے حوالہ سے خدا کے منشا کو پیش کرنے والا بالاتر قانون Supreme Law ہے جو قانون محمد ﷺ سے ہمیں قرآن مجید اور حضرت محمد ﷺ کے نمونہ زندگی کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے جسے شریعت کہتے ہیں۔[56] ان دو بنیادوں پر جو اسلامی روایت قائم ہوئی ہے وہ اپنی اصلیت، ثباتیت اور لزوم کے ساتھ آغاز اسلام کے پہلے دن قائم ہوا تھا سے آج تک مسلسل زندہ ہے۔[57] اور حضور ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کا ۲۳ سالہ کام قرآن کے منشا کی توضیح و تشریح ہے۔ حاکم اعلیٰ یعنی اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو تشریعی اختیارات Legislative Powers عطا کیے ہیں۔ جو اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے ہے۔ یہی بات سورۃ حشر:۷ میں صراحت کے ساتھ ارشاد ہوئی ہے۔[58] یہ احادیث رسول اسلامی روایت کا بہت بیش قیمت حصہ ہیں۔ جس پر مستشرقین نے قلوب واذہان میں شبہات ڈالنے کی کوششیں کی ہیں۔ اس ضمن میں سید مودودی نے احادیث رسول کی اسلامی روایت کے ضمن میں شکوک کو دور کرتے ہوئے اس کی جانچ پرکھ کے اصولوں کی تحسین کی ہے۔[59] جبکہ دوسری جانب مولانا مودودی کے لٹریچر کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے سائنس، آرٹ کی ترقی سمجھے جانے والا شاندار دور انہیں ذرا بھی متاثر نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کے نزدیک فائن آرٹ کے نام سے پائے جانے والے کلچر کو آلائشوں سے پاک اسلامی کلچر کے ساتھ کوئی نسبت بھی نہیں۔ جبکہ حقیقی معنوں میں معاشرے کا اطمینان فطرت انسانی پر استوار معاشرے میں ہی ممکن ہے۔ ایک ایسے معاشرے کے قیام کے ضمن میں مولانا مودودی ہمیشہ پرامید اور پرعزم نظر آتے ہیں۔ مریم جمیلہ کی رائے میں مغربیت اور جدیدیت میں حد فاضل قائم کرنا فضول ہے کیونکہ نتائج دونوں کے یکساں ہیں۔[60] ہن ٹنگٹن نے Pipes کے حوالہ سے بھی اس کا احوال لکھا ہے۔[61].

نتیجہ بحث

حق و باطل کی کشمکش ایک حقیقت ہے۔ جس کے انداز اور میدان میں وسعت آئی ہے۔ دین یا مذہب اور اخلاقی اقدار کا انسانی زندگی میں بنیادی کردار ہے۔ لیکن حقیقی دین داری کی بجائے مادیت پرستی پر مبنی فلسفے تعمیر کیے گئے۔ جن کی بنیاد پر پیدا ہونے والی گمراہیاں عالمگیر اور ہمہ گیر اثرات کی حامل ہیں جن کا دائرہ اثر ہر مذہب کے لوگوں پر ہے اور خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقے پر بڑھ رہا ہے۔ ان کی پشت پر مالی اور فوجی طاقت بھی ہے۔ اسلام نے ایمان، دین اور طاقت کے درمیان جو ہم آہنگی اور توازن پیدا کیا ہے۔ اس میں مذہبی روایات کی اہمیت مسلمہ ہے کیونکہ یہ ایک نسل سے دوسری نسل کو برابر منتقل ہوتی ہیں۔ اس لیے اس کا تحفظ اور توسیع اشاعت بالکل فطری ہے۔ کسی قوم کی ترقی اور کامیابی کے اسباب کا پوری چھان بین کر کے مفید چیز کو لے لینا ہو اسے لے لینا انسانیت کی مشترک میراث کی قدر کرنا اوران کے لینے میں قومی عصبیت کی بنا پر بخل کرنا محض جاہلیت ہے۔

دین کی تجدید کا مطلب اس کی مٹتی ہوئی تعلیمات اور سنتوں کو زندہ کرنا، اس کے ان نقوش وآثار کو اجاگر کرنا اور لوگوں میں اُنھیں عام کرنا ہے۔ جبکہ جدیدیت کلیسائی جبر واستبداد کے رد عمل میں پیدا شدہ ایک مغربی فکر و تحریک ہے۔ جس کے نزدیک حقائق کی دریافت کے لیے کسی اور سرچشمے مثلاً وحی یا نبوت کی کوئی ضرورت نہ ہے۔ مروجہ دور میں موجودہ مغربی تصور جدیدیت ایک معروضی، تاریخی اور اجتماعی تہذیبی عمل ہے۔ جس کے حاملین نے ماضی کی اجتماعی وعلمی روایت خصوصاً مذہب سے مکمل بغاوت اور آزاد ہو کر اپنے تصورات پیش کیے۔ ان کا خدا کی بجائے انسان کے تاریخ ساز ہونے کا تصور اسلام کے بنیادی عقیدہ کے لیے چیلنج اور متصادم ہے۔ تحریک جدیدیت کے نتیجے میں مسلمانوں میں دونقطہ ہائے نظر روایت پسندی اور جدیدیت پسندی پیدا ہوئے۔ جدیدیت پسندوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ قدیم علم نئے حالات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان کا فکری ارتقا جن نئی تبدیلیوں کو بیان کر رہا ہے دین ان کو اپنے دامن میں سمونے کی صلاحیت کا مظاہرہ کرے۔ اس مغربی فلسفہ کی بنیاد سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کی گئی نفسیات پر ہے۔ جو ہر فرد کو اپنے جان ومال کا نہ صرف تنہا مالک قرار دیتا ہے بلکہ اس پر کسی اور کے اختیار کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اس پر اسے تصرف کے بھی کلی اختیارات عطا کرتا ہے۔ یہ خود غرضی کے فطری نظریہ سے شروع ہو کر تمام اعلیٰ انسانی صفات کو بالآخر دبا دینے والی انتہائی خود غرضی یعنی انفرادیت پرستی پر ختم ہوتا ہے۔

اسلام میں جدیدیت یا جدت سے مراد یہ ہے کہ عالم اسلام کو پیش آنے والے بگاڑ کو ختم کر کے اسے پہلی حقیقی صورت پر بحال کرنا، ماضی کے مسلمہ علمی اور فقہی اصول وضوابط کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی حدود میں رہتے ہوئے مسائل زمانہ کی ضرورت کے مطابق تشریح و تعبیر کرنا اوراس کو ان تمام غیر اسلامی اثرات سے پاک صاف کر دینا اور ممکنہ حد تک اسے اپنی خالص صورت میں پھر سے ترویج اور فروغ دینا کار تجدید ہے۔ کیونکہ اسلام ایک ہمہ گیر اور جامعیت والا دین ہے جو اپنے احکامات میں زمانے کی رعایت سے اپنے اصولوں کی حدود میں رہتے ہوئے لچک اور وسعت کا حامل ہے۔

تجدید دین کے لیے صرف علوم دینیہ کا احیا اور اتباع شریعت کی روح کو تازہ کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لیے ایک جامع اور ہمہ گیر اسلامی تحریک کی ضرورت تھی جو تمام علوم وافکار، فنون اور تمام شعبہ ہائے زندگی پر اپنا اثر پھیلاتی۔ اس لیے کہ اب تجدید کا کام نئی اجتہادی قوت کا طالب ہے۔ کیونکہ جاہلیت جدیدہ بے شمار نئے وسائل ومسائل زندگی کے ساتھ آئی ہے۔ قرآن کے بتائے ہوئے طریق فکر ونظر پر آثار کے مشاہدے اور حقائق کی جستجو سے ایک نئے نظام فلسفہ کی بنا رکھنا لازم ہے جو خالص اسلامی فکر کا نتیجہ ہو۔ اس تمام بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام صحیح اور فطری تصور جدیدیت کا مخالف نہیں بلکہ اس میں حالات زمانہ کے ساتھ اپنے اصول وضوابط کی تنفیذ اور تعمیل کے لیے پوری پوری گنجائش رکھی گئی ہے۔

سفارشات

۱۔ جدیدیت کی بنیاد مذہب سے اور الہامی ہدایت سے بغاوت کرنے والی سائنس پر ہے۔ جو اسباب کی تمام تر ترقی کے باوجود اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تہذیب کی ثقافتی ترقی کے لیے سائنس کو الہامی ہدایات کے تحت ترقی دی جائے۔

۲۔ اسلام جیسی انقلابی تحریک کے کارکنوں کو اسلامی اصولوں کو روبہ عمل لانے کے لیے اسلامی روایات کے مضبوط سرچشموں کے دائرہ میں رہتے اور حالات کے مطابق مناسب طریقِ کار اختیار کرتے ہوئے تمام علوم وافکار، فنون اور تمام شعبہ ہائے زندگی پر نئی اجتہادی نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جاہلیت جدیدہ بے شمار نئے وسائل ومسائل زندگی کے ساتھ آئی ہے۔ قرآن کے بتائے ہوئے طریق فکر ونظر پر آثار کے مشاہدے اور حقائق کی جستجو سے ایک نئے نظام فلسفہ کی بنالازم ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے خیر امت ہونے کی وجہ تمام انسانیت کی خدمت اور رہنمائی کے منصب پر فائز کیا جاناہے۔ ان کے اس شرف کا راز "اخرجت للناس" کے قرآنی الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو تمام انسانوں کے مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے عالمی گاؤں global village تک آواز پہنچانے کے لیے جدید ذرائع کا استعمال اور بحث مباحثہ dialogue ضروری ہے۔ تاکہ اس عالمی قبیلہ کے سامنے اس کے رہنے والوں کے حقائق اور درست تصویر رکھی جائے۔

۴۔ قرآن وسنت اور دنیا کی تاریخ کی رو سے قوموں کے عروج وزوال کے فلسفہ کو سمجھتے ہوئے افرادِ قوم کے اندر وہ خوبیاں اور صلاحیتیں پیدا کی جائیں، جو دنیا میں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہیں۔

۵۔ مغرب اور اسلام کے چاہنے والوں کو اپنے مستقبل کو محفوظ اور تابناک بنانے کے لیے میڈیا کی بے لگام آزادی اور مادہ پرستانہ تعلیم سے متاثر نوجوانوں کے کردار کی حفاظت کے لیے خصوصی پلاننگ کرنا ہوگی۔ امت مسلمہ کو بالخصوص نوجوان

نسل کو تہذیبوں کی کشمکش کے اس دور میں علم، قوت اور تنظیم Discipline کی خصوصیات اور ترقی کے لوازم سے روشناس کرانا لازم ہے۔

۶۔ ارتقاء پذیر زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے درکار خاص قسم کی لچک اسلام میں وہ فطری طور پر موجود ہے۔ جسے اجتہاد کے ذریعے قیامت تک فراہم کرنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ روایت وجدیدیت کی کشمکش میں ہمیں حالات کا پورا شعور حاصل ہو، مقابلے کے لیے موثر حکمت عملی تیار کی جائے اور حالات کے دھارے کا رخ موڑنے کے لیے فکری و عملی جدوجہد کی جائے۔ یہی زندگی، ترقی اور کامیابی کا راستہ ہے۔ اور اس سب کے لیے قرآن وسنت ساری دنیا پر چھا جانے کی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

۷۔ اسلام کا دامن انسانیت اور نقطہ نظر بڑا وسیع ہے۔ وہ تمام علوم وفنون کی ترقی چاہتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ ضمانت بھی دیتا ہے کہ یہ ترقی صحیح بنیادوں پر اور صحیح سمت میں ہو۔ انسانیت کی فلاح اور خوشحالی کے لیے تاریخ میں ثابت شدہ ایک ترقی یافتہ تہذیب کے ساتھ ساتھ مستقبل میں بھی ایسے ہی دور کی بشارتیں اسلام میں کثرت سے بیان کی گئی ہیں.

حواشی وحوالہ جات

1 - Khalid alvi, dr, Tajdeed deen e haq aur syed Mawdūdī, (tarjuman al quran, mahnamh, mudeer : professor Khursid Ahmad, Lahore : idaara tarjuman al quran, May 2004) , 455-461

2 - Askari, hassan, Jadidi'at, paish lafz : dr. Muhammad ajmal , Lahore : idaara mtboaat e talba, September 2013), 16-17

3 -Khurshid Ahmad, professor, Moulana Mawdūdī, Mufakir,Muslih aur mudabbir (tarjuman al quran, mahnamh, mudeer : professor Khursid Ahmad, Lahore : idaara tarjuman al quran, May 2004) , 187-206,

4 -Tajdeed deen e haq aur syed Mawdūdī, 455-461

5 -http://zindgienau.com/Issues/2013/january2013/unicode_article3.asp

6 -Jami 'a English urdu dictionary,(New Dehli: qowmi council braey fīrogh e urdu zaban, n.d.), 811

7 -Qowmi angreizi urdu lughat, muratiba: dr. Jamiel jalibi, (Islamabad: muqtadira Qowmi zaban,2002),5:1256

8 -Khalid Rehman, Ahyaey islam aūr mustaqbil kay imkanat,(muratiba: Ibra'ihem abu rabi, mutarijim: muslim saja'ad), (institute of policy studies, Islamabad,1998), 1: 5-9

9 -Jadidi'at, 40-46

10 -Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, syed, Tajdeed o Ahyaey deen, (Lahore: Islamic publications, 2016), 33: 30-39

[11] - Huntington Samuel. P,The Clash of Civilizations and The Remaking of World Order, (New Dehli: Penguin books, 1997), 73,74

[12] -Alfiraqi, Ibn e Manẓūr, Muḥammad Bin Mukarram, Lisān Al-ʿarab, (Baīrūt:Dār al mārif, 1993.),1:523

[13] -Ahyaey islam aūr mustaqbil kay imkanat,(muratiba: Ibra'ihem abu rabi), 10-15

[14] -Qa'azi khan, Hassan bin Mansūr, Fata'awa qa'azi khan fī mazhab al imam ul a'azam abu hanīfa an'numan, (Baīrūt: Dār al kutab al-ilmīa), 209

[15] -Chishtī, Khal īl ūr rehma'n, Tehreīk Ahyaey deīn kay qa'afila sa'alar. (tarjuman al quran, mahnamh, mudeer : professor Khurshīd Ahmad, Lahore : idaara tarjuman al quran, October 2003) , 269,273,279

[16] -Tar'ariq jan, Secular zehnīat per moulana Mawdūdī ki girifit, ((tarjuman al quran, mahnamh, mudeer : professor Khursid Ahmad, Lahore : idaara tarjuman al quran, October 2003), 169-171

[17] -Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, syed, Tanqeīha'at, (Lahore: Islamic publications, 2008), 34: 6-39

[18] -Khurshīd Ahmad, tarjuman al quran, mahnamh, May 2004) , 202,203

[19] -Hudsan, Ahyaey islam aūr mustaqbil kay imkanat,92,93

[20]-https://www.javedahmedghamidi.org/#!/ishraq/5adb7342b7dd1138372dba49?articleId=5adb737db7dd1138372dc212&decade=2020&year=2023

[21] -Khurshīd Ahmad, Ahyaey islam aūr mustaqbil kay imkanat, 80,81

[22] -Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, syed, sood, (Lahore: Islamic publications, 2020), 36: 17

[23] -Ibid, 120,122

[24] -Ibid, 120,121

[25] -Tajdeed o Ahyaey deen,,20.21,37

[26] -Ibid, 14,17,129

[27] -Ibid, 129

[28] - The Clash of Civilizations and The Remaking of World Order, ,page 73,74

[29] -Tanqeīha'at, 103-106

[30] -Ibid, 120-123

[31]-https://www.javedahmedghamidi.org/#!/ishraq/5adb7342b7dd1138372dba49?articleId=5adb737db7dd1138372dc212&decade=2020&year=2023

[32] -Khurshīd Ahmad, tarjuman al quran, mahnamh, May 2004) , 230,231

[33] -Khalid alvi, tarjuman al quran, mahnamh, May 2004) , 451,462,463

[34] -Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, syed, Tehreīek a'azadi hind aūr musalman, (Lahore: Islamic publications, 9:1992), 2: 24,25

[35] -Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, syed, Tafheīma'at, (Lahore: Islamic publications, 34:1995), 2: 111,-114

[36] -Tanqeīha’at, 16,17

[37] -Tafheīma’at, 2:123

[38] -Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, syed, khīla’fat o maloukīat, (Lahore: Idara tarjuma’anul qura’an, 47, 2020), 17-35

[39] -Ibid, 43

[40] -Tafheīma’at, 2:272-276

[41] -Ibid, 306,307

[42] -Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, syed, sunnat ki aa'ini heīsi’at, (Lahore: Islamic publications, 12:1990), 15,16

[43] -Tanqeīha’at, 315,316

[44] -Ibid,113

[45] -Ibid,314,315

[46] -Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, syed, Tafheīma’at, (Lahore: Islamic publications, 12:1995), 1: 33

[47] -Ibid, 36-41

[48] -Ibid, 69

[49] -Ibid, 72 -80

[50] -Ibid, 94-98

[51] -Ibid, 108-110

[52] -Ibid, 116

[53] -Ibid, 144-149

[54] -Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, syed, Tafheīma’at, (Lahore: Idara tarjuma’anul qura’an, 3:1992), 4: 108-115

[55] -Tafheīma’at, 2:17

[56] -sunnat kī aa'ini heīsi’at, 31,32

[57] -Ibid, 35,36,48,49

[58] -Ibid, 52,53

[59] -Ibid, 58,59

[60] -Maryam Jamīla’a, Jadeed taraqī o tamadun aūr moulana Mawdūdī, (tarjuman al quran, mahnamh, mudeer : professor Khursid Ahmad, Lahore : idaara tarjuman al quran, October 2003) , 139,140

[61] - The Clash of Civilizations and The Remaking of World Order, page73,74